حدیث - ۸

رزق کے معاملے میں اللہ پر توکل

عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: لو انکم کنتم تتوکلون علی اللّٰہ حق توکلہ لرزقتم کما یرزق الطیر تغدو خماصاً وتروح بطاناً۔

(ترمذی کتاب الزہد ۳۳۔ تحفۃ الاحوذی، ج ۷/۸)

''حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ ''اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل کرو اور اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے، تو تم کو وہ اس طرح روزی دے گا جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہے کہ وہ صبح کو بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔''

مفہوم

توکل کے سلسلہ میں یہ حدیث بنیادی اہمیت رکھتی ہے اور حصول رزق کا یہ سب سے بڑا وسیلہ وذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے :

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ (الطلاق: ۲،۳)

''اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لئے (رنج ومحن سے) مخلصی (کی صورت) پیدا کردے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم وگمان بھی نہ ہو اور جو خدا پر بھروسا رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا۔''

حضور ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو یہ آیت پڑھ کر سنائی اور پھر ان سے فرمایا ''تمام کے تمام لوگ اس آیت کریمہ کو اپنا شعار بنالیں۔ اگر اپنے اندر پورے طور پر تقویٰ اور توکل پیدا کرلیں تو یہ ان کے دینی و دنیوی سبھی قسم کے معاملات وضرورتوں کے لئے کافی ہوجائے گا۔

توکل کی اصل حقیقت یہ ہے کہ آدمی دل سے یہ یقین رکھے کہ دنیا یا آخرت کا کوئی فائدہ یا نقصان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے نہیں حاصل ہوسکتا، اس کے دل میں یہ عقیدہ اور بھروسا گھر کر جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہ کچھ دے سکتا ہے اور نہ اللہ کی طرف سے ملنے والی کسی نعمت وفائدہ کو روک سکتا ہے، اور کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کامل اور بھروسا تو ایمان کی جڑ ہے، ایسے ہی وہب بن منبہ نے فرمایا: ''مقصد اصلی تو اللہ کی ذات پر بھروسا ہی ہے (کہ اس کے بغیر ایک ذرہ نہیں حرکت کرسکتا)۔'' حضرت حسنؒ نے فرمایا بندے کے اللہ پر بھروسا کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی وہ ذات ہے جس کا وہ سہارا لے اور اس پر اعتماد کرے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، جس کو اس بات کی چاہت اور خوشی ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے قوی ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا رکھے۔'' آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے کہ ''اے اللہ میں تیری ذات عالی سے اس بات کا طالب ہوں کہ تو مجھ کو اپنی ذات سے بھروسا کی نعمت عطا فرما۔'' آپ یہ بھی دعا فرماتے تھے کہ ''اے اللہ تو مجھے ان لوگوں میں سے بنادے جنھوں نے تجھ پر بھروسا کیا اور تو ان کا ہر طرح سے نگہبان ہوگیا۔'' (جامع العلوم والحکم، ابن رجب حنبلی، ص ۲۲۸)

یہ بتانا مناسب وضروری معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پر توکل وبھروسا، اسباب وذرائع کو اپنانے کے منافی نہیں ہے کہ اپنے قویٰ اور اعضاء کے ذریعے حصول اسباب کی فکر وکوشش کرنا اطاعت خداوندی ہے اور دل سے یقین اور بھروسا کرنا یہ اللہ پر ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ'' (النساء:۷۱) مومنو! (جہاد کیلئے) ہتھیار لے لیا کرو۔

دوسری آیت میں فرمایا :

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّااسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ۔

(الانفال:۶۰)

''اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لئے مستعد رہو۔''

دوسری جگہ فرمایا :

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (الجمعہ:۱۰)

''پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور خدا کا فضل تلاش کرو۔''

دین اسلام میں اسباب و وسائل کا اپنانا بجائے خود بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس پر پورا زور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں اسی بات کی تعلیم دی کہ جب مسلمانوں نے اسباب ظاہری کی طرف سے کوتاہی برتی اور اپنے قائد کے مشورے پر عمل کرنے میں غلطی کا شکار ہوئے تو مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ظاہری اسباب اپنانا ضروری ہے کہ یہ کامیابی کیلئے لازمی اور قطعی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ۔ (اٰل عمران:۱۶۵)

''(بھلا یہ) کیا (بات ہے کہ) جب (احد کے دن کفار کے ہاتھ سے) تم پر مصیبت واقع ہوئی حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دوچند مصیبت تمہارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے تو تم چلا اٹھے کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آ پڑی، کہہ دو کہ یہ تمہاری ہی شامت اعمال ہے (کہ تم نے پیغمبر ﷺ کے حکم کے خلاف کیا۔)''

امت مسلمہ نے اسباب اختیار کرنے کی اہمیت کو صرف الفاظ و زبان یا ملامت کرنے کی وجہ سے نہیں سیکھا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تکلیفیں اٹھا کر، اور اپنا خون بہا کر اور غلبہ و فتحیابی کے بعد شکست کی قیمت ادا کر کے سیکھا ہے، مال غنیمت جمع کرنے کے بعد نقصان اٹھا کر اس کا سبق یاد کیا

ہے اور بہت سے شہیدوں کی لاشیں گر جانے کے بعد جن میں سید الشہداء عمؓ رسول ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ اسباب ووسائل اپنانے کا سبق پڑھا ہے۔

(السیرۃ النبویۃ: ابوالحسن علی ندوی)

حضرت سہل تستری فرماتے ہیں، جس نے کسب معاش اور حوائج زندگی کے حصول کی فکر وکوشش پر ملامت اور طعن کیا اس نے اسوۂ رسول اللہ ﷺ اور جس نے خدا پر توکل اور بھروسا پر ملامت وطعن کیا اس نے ایمان پر طعن وملامت کیا۔ توکل حضور اکرم ﷺ کا حال تھا اور کسب معاش اور ضروریات زندگی کے حصول کی فکر وکوشش یہ آپ ﷺ کی سنت تھی۔ جو شخص آپ کے حال پر عمل کرے وہ آپ کی سنت مبارکہ کو نہ چھوڑے۔ (کہ اس کے خلاف عمل کرنے کا نام غلو اور بے اعتدالی ہے اور یہ بات ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو دین کی روح کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، بقول مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ :

اب نہ افراط باقی نہ تفریط ہے
عشق کامل ہوا معتدل ہوگیا

حدیث مذکور کہ'' اگر تم اللہ تعالیٰ پر کما حقہ توکل کرو تو تم کو اس طرح رزق ملے جس طرح پرندوں کو ملتا ہے'' یہ بتاتی ہے کہ لوگوں کو روزی ان کے خدا پر توکل اور بھروسا، کمزور ہونے اور اسباب کو اپنانے اور اس پر یقین رکھنے کی وجہ سے بڑی محنت ومشقت سے حاصل ہوتی ہے اور اس کے لئے انتھک کوشش کرنی پڑتی ہے، تاہم ملتا اتنا ہی ہے جتنا مقدر میں ہے۔ لیکن اگر وہ دل سے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کریں تو معمولی اسباب اختیار کرنے پر بھی اس طرح ان کو رزق حاصل ہو جائے، جس طرح صبح وشام آنے والے پرندوں کو حاصل ہو جاتا ہے۔ گو یہ صبح وشام کا آنا جانا بھی کوشش واسباب میں شامل ہے لیکن یہ کوشش آسان ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا! کسی کی موت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ وہ اپنے حصے کا رزق پورا نہ کرلے، لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کے حکموں کا پاس ولحاظ رکھو اور حصول رزق کا اچھا اور بہتر طریقہ اپناؤ، حلال کو حاصل کرو، حرام سے دور رہو''۔

بعض اسلاف نے فرمایا: تم خدا پر بھروسا رکھو، روزی تو دوڑ کر تمہارے پاس آئے گی۔ سالم بن ابو جود نے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ ''تم اللہ کے لئے کام کرو، اپنے پیٹ کی خاطر نہ کرو، ضرورت سے زیادہ جمع کرنے سے بہت دور رہو کہ اس کا زیادہ جمع کرنا عذاب ہے۔ ان اڑنے والے پرندوں کو دیکھو جو صبح وشام آتے جاتے ہیں لیکن کچھ لے کر نہیں آتے۔ بس چگ لیا پیٹ بھر گیا، شام کو اپنے آشیانوں کو واپس آ گئے۔ اور کل پھر نکلیں گے۔ کچھ جمع نہیں کرتے ان کی کوئی کھیتی باڑی نہیں ہے۔ اب اگر تم یہ کہو کہ ہمارے پیٹ پرندوں کے پیٹ سے بڑے ہیں تو جانوروں کو دیکھو، گائے، بیل، اور گدھے، صبح چراگاہوں کو جاتے ہیں اور واپس ہوتے ہیں تو کل کے لئے کچھ لے کر نہیں آتے، ان کی کوئی کھیتی نہ باڑی مگر اللہ تعالیٰ ان کو روزی عطا کرتا ہے۔

(جامع العلوم والحکم: ص ۵۳۰، ۵۳۱ (ملخص)

ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد پاک حقیقت توکل کو بیان کرنے میں کتنا جامع اور مبنی برحقیقت ہے آپ کے ارشاد کہ ''اگر تم کما حقه اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرو'' کا مطلب یہ ہے کہ دل سے پورا یقین رکھو کہ جو کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوگا۔ اس کے سوا کوئی کچھ نہیں دے سکتا ہے، اور جب وہ دینا چاہے تو کوئی روک بھی نہیں سکتا۔ اس یقین واعتماد کے بعد اسباب اپنانے کا نمبر آتا ہے اس لیے کہ شریعت نے اس کا حکم دیا ہے۔ اس لئے نہیں کہ نتائج کا انحصار اسباب پر ہے۔

اسباب کا اختیار کرنا عبادت ہے اور انجام کا سامنے آنا یہ اللہ کے فیصلے اور تقدیر پر منحصر ہے۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد بندۂ مومن اسباب ووسائل کی غلامی اور اس سے دل اٹکانے اور اسی پر بھروسا کرنے سے آزاد ہو جاتا ہے، کہ جتنا کرنے کا ہم کو حکم تھا، اتنا ہم نے کیا آگے اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ جب بندے کی یہ کیفیت ہوتی ہے، تب اس کو پرندوں کی طرح بے سان وگمان طریقے پر رزق حاصل ہوتا ہے۔ بندۂ مومن اس کو خوب جانتا ہے کہ توکل کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ زمین کو خالی چھوڑ دے۔ اس پر کھیتی یا باغبانی نہ کرے۔ اسی طرح دوسرے دیگر وسائل کو بھی نہ اپنائے بلکہ دین اسلام نے بندۂ مومن کو تو مردہ وبنجر زمینوں کو آباد اور کارآمد

بنانے کا مکلّف بنایا ہے۔ توکل کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کو ان چیزوں میں نہ لگائے۔ بقول حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ: دنیا ہاتھ میں رکھنا جائز، جیب میں رکھنا جائز لیکن دل میں رکھنا ناجائز ہے مقصود یہ ہے کہ زمین میں لگ کر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو جائے۔ بلکہ محنت زمین پر کرے اور نظر آسمان کی طرف رکھے۔ وہ اسباب کو تو اختیار کرے لیکن یہ نہ سمجھے کہ یہ اسباب ہی روزی فراہم کر دیں گے۔ بلکہ ان کا رزق آسمان سے مقدر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ إِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ أَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (الذاریات:۲۲،۲۳)

''اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے، تو آسمانوں اور زمین کے مالک کی قسم یہ (اسی طرح) قابل یقین ہے جس طرح تم بات کرتے ہو۔''

حقیقی مسلمان وہی ہے جو توکل کی اس حقیقت کو سمجھتا ہے، جو اس کے ایمان اور عقیدے کا جزو ہے۔ اس لئے سبھی جائز اسباب کا اپنانا ضروری ہے تاکہ یہ مقصد پورا ہو۔

مسلمان کے نزدیک توکل کا لب لباب یہ نکلا کہ دل کے سکون و اطمینان کے ساتھ کام میں لگا رہے اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے اور یقین کامل رکھے کہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اچھا عمل کرنیوالے کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔ لہٰذا مسلمان اپنے رزق کے معاملے میں مطمئن ہو کر زندگی گزارتا ہے اس لیے کہ روزی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو وعدہ خلافی نہیں کرتا اور نہ اپنے بندے کو ضائع کرتا ہے۔ اس نے زمین کو گہوارہ اور فرش بنایا ہے اس کو پھیلایا ہے۔ اس میں برکت رکھی ہے اور اسی میں اس کی ضروریات مقدر فرما رکھی ہیں۔ اس کے ذرائع معاش بھی اسی میں رکھے ہیں۔ اور بندوں سے روزی پوری کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کی ذمہ داری لی ہے بار بار اس کا یقین دلایا ہے، تاکید فرمائی ہے اور اس کی قسم کھائی ہے۔ فرمایا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود:۶)

''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمہ ہے۔''

دوسری آیت میں فرمایا:

وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ إِيَّاكُمْ وَهُوَالسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (العنکبوت:۶۰)

''اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے خدا ہی ان کو بھی رزق دیتا ہے اور تم کو بھی، اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

ان خدائی وعدوں پر بندۂ مؤمن اپنے رزق کے معاملے میں امن واطمینان سے زندگی گزارتا ہے، اسے یقین رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھوکا نہ مارے گا۔ اللہ تعالیٰ تو پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں اور درندوں کو جنگلوں میں رزق عطا کرتا ہے۔ سمندر کی تہہ میں مچھلیوں کو غذا فراہم کرتا ہے۔ کیڑوں مکوڑوں کو پہاڑوں کی چٹانوں کے اندر کھلاتا ہے۔

مناوی نے حدیث توکل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ صبح پرندے بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس آتے ہیں، دوڑ دھوپ سے رزق نہیں ملتا۔ رزق تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ توکل کا مطلب ہاتھ باندھ کر بیکار بیٹھ رہنا نہیں ہے، بلکہ حدیث پاک کے اندر لام کا لفظ کوئی وسیلہ اپنانے کے مفہوم پر مشتمل ہے۔ اس لئے کہ پرندہ کو کوشش کے بعد صبح کو نکلنے اور اِدھر اُدھر اڑنے ہی سے رزق میسّر آتا ہے۔ اس لئے امام احمدؒ نے فرمایا: حدیث کے اندر ایسے الفاظ یا معانی نہیں ہیں جو روزی کے لئے کوشش کے ترک کا مفہوم رکھتے ہوں بلکہ اس میں تو طلب رزق کی فکر کے معنی پائے جاتے ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی: ج ۷)

آپ ﷺ نے امت کو توکل کی تعلیم وتربیت اس کے وسیع معنی میں دی ہے۔ اسی لئے چڑیوں کی انوکھی مثال بیان کی ہے کہ وہ صبح جلد بیدار ہو کر خدا کی تسبیح بیان کرتی ہیں بولتی اور چہچہاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ (بنی اسرائیل:۴۴)

''اور (مخلوقات میں سے کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔''

اس پاک و پسندیدہ عبادت کے بعد پرندے اپنے گھونسلوں سے نکل کر تلاش رزق میں کھیتوں، باغوں اور ان جگہوں کی طرف اڑ نکلتے ہیں، جہاں کہیں بھی ان کو دانہ اور سامان رزق میسر آتا ہے، وہ اس کی تلاش میں دن بھر سرگرم عمل رہتے ہیں اور جب سورج ڈوبنے لگتا ہے تو اپنے گھونسلوں کی طرف پرے بنا کر ایک لائن سے اڑتے ہوئے واپس آجاتے ہیں، اس طرح کہ ان کا پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے، یہ گویا اس قرآنی آیت کی عملی تفسیر ہوتی ہے۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاساً وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشاً (النبا:۱۰،۱۱)

''اور رات کو پردہ مقرر کیا اور دن کو معاش (کا وقت) قرار دیا۔''

پرندے کی زندگی اس اعتبار سے توکل کے ساتھ اسباب کو اپنانے میں نشاط و حرکت پر عمل پیرا رہنے کی ایک عملی مثال اور شان امتیاز رکھتی ہے۔

بندۂ مومن بھی اسی طرح سے جب اسباب کو اختیار کرتا ہے اور اس پر عبادت کا جو بار امانت رکھا گیا ہے، حقوق و واجبات کی جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے اس کو ادا کرتے ہوئے خدا پر بھروسا رکھتا ہے اور دل میں اس کے وعدہ کا یقین جمائے رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پرندوں کی طرح روزی دیتا ہے، اور من حیث لا یحتسب ہر ضرورت اپنے اپنے وقت پر پوری ہوتی رہتی ہے۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ توکل ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' (الفاتحہ:۴) (اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔) کے درجوں میں سے عبادت کا ایک درجہ ہے۔ ''وَعَلَى اللهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ'' (المائدہ:۲۳) (اور خدا ہی پر بھروسہ رکھو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو۔ دوسری آیت میں فرمایا: ''رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ'' (الممتحنہ:۴) (اے ہمارے پروردگار تجھ ہی پر ہمارا بھروسا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور تیرے ہی حضور میں (ہمیں) لوٹ جانا ہے''۔

ایک اور آیت میں فرمایا:

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ

(ال عمران:۱۵۹)

''اور جب (کسی کام کا) عزم مصمم کرلو تو خدا پر بھروسا رکھو۔ بے شک خدا بھروسا رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کے توکل کے بارے میں فرماتا ہے:

''وَمَا لَنَآ أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا''

(ابراھیم:۱۲)

''ہم کیوں کر خدا پر بھروسا نہ رکھیں حالانکہ اس نے ہم کو ہمارے (دین کے سیدھے) رستے بتائے ہیں۔''

اپنے محبوب نبی محمد ﷺ کے صحابہؓ کے بارے میں فرمایا:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَاناً وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (ال عمران:۱۷۳)

''(جب) ان سے لوگوں نے آ کر بیان کیا کہ کفار نے تمھارے (مقابلے کے) لئے (لشکر کثیر) جمع کیا ہے تو ان سے ڈرو۔ تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے ہم کو خدا کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔''

دوسری آیت میں فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَاللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَاناً وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (الانفال:۲)

''مومن تو وہ ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ اور جب انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں۔''

صحیحین کی اس حدیث میں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ستر ہزار ایسے لوگ ہوں گے جو

بلاحساب جنت میں داخل ہوں گے۔

هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَلَا يَكْتَوُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ.

''وہ، وہ بندگان خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے اور شگونِ بد نہیں لیتے اور نہ داغتے ہیں اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔''

صحیحین ہی کی ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ.

اے اللہ میں نے تیری اطاعت کے لئے سر جھکایا اور میں تجھ پر ایمان لایا۔ اور میں نے تجھ پر بھروسا کیا۔ اور میں تیری طرف رجوع ہوا۔ اور تیری قوت سے میں نے (دشمنوں سے) جھگڑا کیا۔

سنن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ الفاظ کہے ''**بسم الله توكلت على الله ولا حول ولا قوّة إلا بالله يقال له هديت ووقيت وكفيت**'' (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسا ہے، کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں کامیابی اللہ ہی کے حکم سے ہو سکتی ہے) تو عالم غیب میں اس آدمی سے کہا جاتا ہے (یعنی فرشتے کہتے ہیں) اللہ کے بندے تیرا یہ عرض کرنا تیرے لئے کافی ہے، تجھے پوری رہنمائی مل گئی اور تیری حفاظت کا فیصلہ ہو گیا''۔

توکل نصف دین ہے دوسرا نصف دعا و اِنابت (یعنی اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور رونا و گڑگڑانا) دین اللہ سے مدد طلب کرنے اور عبادت کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا و توکل مدد طلب کرنے ہی کے مترادف ہے اور اِنابت و توجہ اِلی اللہ تو عبادت ہے ہی۔ اولیاء اللہ بالخصوص ایمان باللہ، اس کے دین کی مدد اور اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد میں اس کے حکموں کو نافذ کرنے میں، غرض ہر چیز میں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا کرتے ہیں یعنی ان کی نظر اسباب سے زیادہ نصرت

خداوندی اور غیبی مدد پر ہوتی ہے۔

توکل کی بہترین صورت واجبات وحقوق کی ادائیگی کی فکر ہے۔یعنی حقوق اللہ، حقوق العباد، خود اپنے نفس وذات کے حقوق۔

کسی دینی یا دین سے کسی خرابی کو دور کرنے کے سلسلے میں ظاہری وخارجی طور پر اپنا اثر دکھانے کے اعتبار سے سب سے زیادہ وسیع اور نفع بخش توکل انبیاء کرام کا توکل ہوتا ہے جس کو وہ دین کو قائم کرنے، زمین سے فسادیوں کے فساد کو دور کرنے کے سلسلے میں ذات باری پر اعتماد و بھروسہ کر کے انجام دیتے ہیں۔ یہ اعلیٰ درجہ کا توکل انھیں حضرات کی شان ہے، انبیاء کرام اور رسولوں کے بعد مومن بندوں کا توکل ان کی ہمت و مقاصد عمل کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ کوئی حصول ملک کے لئے توکل سے کام لیتا ہے، کوئی حصول رزق میں توکل اپناتا ہے۔

توکل کے معنیٰ اور اس کے درجات

امام احمدؒ فرماتے ہیں توکل قلب کی کیفیت عمل سے تعلق رکھتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ احساس وشعور قلب سے تعلق رکھتا ہے، اس کا زبان سے تعلق نہیں کہ زبان سے توکل کا لفظ ادا کر دیا جائے، نہ اس کا تعلق اعضاء انسانی ہی سے ہے اور نہ یہ علم وادراک سے تعلق رکھتا ہے۔

بعض حضرات توکل کا تعلق حصول معرفت رب سے جوڑتے ہیں کہ دل کا یہ جان لینا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی کفایت کرے گا یعنی ہر طرح سے بندہ اس کی نگہبانی میں ہوگا۔

یحییٰ بن معاذ سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص (متوکل اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسا رکھنے والا) کب ہوسکتا ہے؟ انھوں نے جواب میں فرمایا: جب بندہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا کارساز سمجھ لے اور اسی پر یقین رکھے۔ بعض توکل کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد واطمینان اور اسی پر سکون قلب کا ہونا یہ توکل ہے۔

ابن عطا فرماتے ہیں کہ جب شدید فاقے کی حالت میں بھی دل کا سکون برقرار رہے اور اسباب اختیار کرنے میں گھبراہٹ سے کام نہ لو تو یہی توکل کہلائے گا۔

ابن قیمؒ کی رائے

ابن قیمؒ توکل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ توکل کئی باتوں سے ملی

جلی کیفیت ہے۔ان باتوں کے بغیر حقیقتِ توکل نہیں حاصل ہوسکتی،اور سبھی بزرگوں نے ان میں سے ایک دوسرے سے زائد باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی معرفت،اس کی صفات کی معرفت،یعنی اس کا قادر مطلق ہونا، ہر چیز میں اس کا خود کفیل ہونا،کسی کا کسی حال میں محتاج نہ ہونا،پورے نظام عالم کو ٹھیک ٹھیک چلانے کی قدرت یعنی قیوم ہونا،ساری باتوں کا اس کو علم ہونا،ان کا اس کی قدرت وارادہ سے پیش آنا ان چیزوں کی معرفت ہی وہ پہلا زینہ ہے کہ جس سے توکل کی راہ کھلتی ہے۔

(مدارج السالکین۔ابن قیم۔ج ۲/۱۱۲/۱۱۹)

اس وسیع مفہوم میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسا وہ سعادت وخوش بختی ہے، جس سے بندۂ مؤمن زندگی میں سکون نفس کی دولت سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔اس کو شرح صدر اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے،جس کے نتیجے میں بلاشبہ آمدنی اور کمائی پر اچھا اثر پڑتا ہے۔جو آدمی پریشان اور کھویا کھویا سا رہتا ہے، بے چینی اور مایوسی کا شکار رہتا ہے وہ اس کام کو جو اس کے حوالے کیا جاتا ہے کم ہی صحیح طریقے پر انجام دے پاتا ہے۔اپنے مقصد میں اتنی کامیابی حاصل کر پائے کہ جس سے وہ مطمئن ہو سکے ناممکن سا ہوتا ہے۔توکل کی ایک علامت اور پہچان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جو اور جتنی روزی عطا فرما رکھی ہے،اس پر راضی رہے اور جو صلاحیت اور قوتِ عمل دے رکھی ہے،اس پر قناعت کرے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنے لطف سے مقدر فرما دیا ہے،اس پر شکر گزار رہے۔اس لئے بندۂ مؤمن کا یہ ایمان وعقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو رزق اور صلاحیت عطا فرمائی ہے اس میں عدل وحکمت سے کام لیا ہے،آپ ﷺ نے جس توکل پر ابھارا اور آمادہ کیا ہے اس توکل کے یہی معنیٰ ہیں۔

انسان اپنی ساخت ومزاج کے اعتبار سے بڑا لالچی واقع ہوا ہے۔اس کے دل میں دنیا کی ایسی حرص رکھ دی گئی ہے کہ کسی حد پر جا کر اس کا دل بھرتا ہی نہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے ذریعے حصول مال وغنیٰ کے سلسلے میں اعتدال ومیانہ روی اختیار کرنے کی رہنمائی فرمائی ہے اور حصول رزق کے لئے محنت اور جدوجہد کا حکم دیا ہے اور اس رہنمائی کے ذریعے اس کے نفس وزندگی میں توازن قائم فرماتا ہے اور اس کو غلو اور کوتاہی سے دور رکھتا ہے جس کی وجہ سے انسان کا دل اور بدن دونوں ہی مشکلات وپریشانی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اگر انسان کو اس کی حرص و لالچ کی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور اس کو اس کے حال پر رہنے دیا جائے تو وہ خود اپنے اور اپنی جماعت کے لئے مصیبت بن جائے، لہٰذا ضروری تھا کہ اس کی چاہت و خواہش کو بلند اقدار و کردار کی طرف موڑا جائے اور اس کی رہنمائی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجاً مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقىٰ۔ (طٰہٰ:۱۳۱)

''اور کئی طرح کے لوگوں کو جو ہم نے دنیا کی زندگی میں آرائش کی چیزوں سے بہرہ مند کیا ہے تا کہ ان کی آزمائش کریں، ان پر نگاہ نہ کرنا اور تمھارے پروردگار کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔''

حدیث کا فقہی پہلو

یمن کے لوگ حج کو آتے تھے تو زادراہ کا اہتمام نہیں کرتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ بس ہم تو اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں اور جب مکہ پہنچتے تو مجبور ہو کر لوگوں سے مانگتے اور سوال کرتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَالزَّادِالتَّقْوىٰ (البقرہ:۱۹۷)

''اور زادراہ (یعنی راستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ کیوں کہ بہتر (فائدہ) زادراہ (کام) پرہیزگاری ہے۔''

یہی بات مجاہدؒ، عکرمہؒ، نخعیؒ اور دیگر بہت سے سلف نے فرمائی ہے۔ یہ حضرات اسباب اختیار کرنے کو بالکل ہی چھوڑ دینے کی اجازت نہیں دیتے، سوائے اللہ کے ان خاص الخاص بندوں کے جو رجوع و انابت اور محبتِ خداوندی کے اس مرتبہ کو پہنچ گئے ہوں کہ مخلوق سے کوئی امید و لالچ دل میں باقی نہ رہی ہو (دل اِشراف سے بالکل پاک ہو چکا ہو اور جس حال میں بھی ہوں اس پر راضی و صابر ہوں، کسی قسم کا کوئی شکوہ و شکایت زبان پر نہ آتا ہو بلکہ ''ہر چہ از دوست می رسد نیکوست'' محبوب کی طرف سے جو کچھ بھی پیش آئے وہ بہتر و پسندیدہ ہے۔ ہر ادا محبوب کی محبوب

ہے۔ یہ ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہو۔ بہت سے لوگ ان خواص کو دیکھ کر دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی نقل میں دینی زندگی کی غلط تصویر پیش کرتے ہیں، توکل کے نام پر دوسروں کے دست نگر بنے رہتے ہیں، یہ اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف ہے جیسا کہ توکل کے بیان میں واضح کیا گیا)۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ سے منقول ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ: اگر کوئی شخص گھر میں بیٹھا رہے کچھ کرے دھرے نہیں بلکہ یہ خیال کئے بیٹھا رہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ پر بھروسا ہے تو کیا اس کا رزق اس کے پاس خود آئے گا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ انبیاء کرام نے یہ اُسوہ نہیں چھوڑا۔ بلکہ وہ محنت مزدوری کرتے تھے، کام کاج اور کاروبار میں مشغول ہوتے تھے، خود رحمۃ للعالمین ﷺ کام کاج اور کاروبار کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے کبھی نہیں فرمایا کہ ہم بیٹھے رہیں گے اللہ تعالیٰ خود سے ہم کو رزق پہنچائے گا، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے ''فانتشروا فی الأرض وابتغوا من فضل اللہ''۔ تلاش معاش میں لگنا ضروری ہے (جامع العلوم والحکم: ۵۳۲)

ان ساری مذکورہ تفصیلات سے حصول رزق کی کوشش کے ساتھ توکل کی ضرورت و اہمیت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

موجودہ حالات اور حدیث

(۱) اس پر پورا یقین رہے کہ رازق حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور زبان و عمل دونوں سے اس کا ثبوت دیا جائے۔

(۲) توکل کا یہ مطلب نہیں کہ حصول رزق کے لئے جن اسباب کو اپنانا ضروری ہے ان کو ترک کر دیا جائے۔

(۳) توکل سے دل کو سکون و اطمینان رہتا ہے۔